سلسلہ مطبوعات (۴۳)

دینِ حق

اور

برِصغیر کا سامراجی نظامِ تعلیم

(ایک تقابلی جائزہ)

مولانا سید حسین احمد مدنی

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

حرف اول

برصغیر پاک و ہند (جو درحقیقت برعظیم کہلانے کا مستحق ہے) میں انگریز کی آمد سے پہلے ایک قومی نظام رائج تھا جس کے تحت بلاامتیاز ہرمذہب سے منسلک افراد نے سکھ چین کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی۔ اس قومی نظام کے پس منظر میں ایک اعلیٰ دینی سوچ کی کارفرمائی تھی اور پھر جب یہ نظام فرسودگی سے دوچار ہوا تو اس کی تبدیلی کے لئے قومی دینی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہوا ہی تھا کہ اس خطہ پر ایک قیامت گزر گئی اور انگریز سامراج نے وحشت و بربریت کا نظام مسلط کر کے یہاں کی تہذیب و تمدن سے لے کر فکر و نظریہ تک سب شعبہ ہائے زندگی کو اپنے منحوس پاؤں تلے روند ڈالا۔ اس سراسیمگی اور خوف کے ماحول میں علماء حق نے اپنی قوم و ملت کے لئے لازوال قربانیوں کی ایک نئی تاریخ رقم کرکے آزادی کا چراغ جلایا۔ جس کی روشنی میں اس خطے کے باشندوں نے حصول آزادی کا سفر شروع کیا جو متعدد کامیابیوں کے حصول کے باوجود ابھی تک جاری ہے۔

زیرنظر خطبہ اس باشعور اجتماعیت کے اہم رکن اور اسیر مالٹا حضرت، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے تعلیم کے موضوع پر دیا جس میں انہوں نے سامراجی حکمت عملی کا گہرائی سے تجزیہ کیا اور قومی دینی نظام کا پس منظر اجاگر کیا جو لائق مطالعہ ہے۔ واضح رہے کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی پچاس سالہ (گولڈن جوبلی کا جو شاندار اجلاس مارچ 1937ء میں بمقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ وہ مختلف شعبوں پر تقسیم کردیا گیا او۔ ہر شعبہ کا ایک علیحدہ صدر اور مستقل سیکرٹری تھا۔

من جملہ ان شعبوں کے ایک شعبہ مدارس اسلامیہ تھا۔ جس کے صدر مولانا حاجی سید حسین احمد صاحب مدنی اور سیکرٹری مولانا حاجی ابوبکر محمد شیث صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی تھے۔ اس شعبہ کا پہلا اجلاس 28 مارچ 1937ء کو بوقت ۸ بجے صبح "اسٹریچی ہال" میں منعقد ہوا اور دوسرا ۲۹ مارچ کو مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں ہوا۔

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے بحیثیت صدر شعبہ مدارس اسلامیہ اسٹریچی ہال میں جو خطبہ پڑھا وہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔ (چیرمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد اللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ علیہ و علی الہ و صحبہ و بارک وسلم

امابعد معزز حاضرین! اکابرین امت، محترم بھائیو! سب سے پہلے میں آپ حضرات کی ذرہ نوازی اور مربیانہ الطاف و عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے ایک معمولی طالب علم کو شعبہ مدارس اسلامیہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ واقعیت کی حیثیت (حقیقت کے لحاظ) سے یہ امر اگرچہ غیر مناسب اور ناموزوں تھا مگر آپ کے اخلاق کریمانہ اور عنایات مربیانہ (سرپرستانہ توجہات) کا تقاضا ضرور تھا کہ قوم کے ادنیٰ ترین غلاموں کی ہمت افزائی کی جائے۔ میں اپنی بے بضاعتی (بے سروسامانی) اور عدیم الفرصتی (فرصت نہ ہونے) کی وجہ سے سمجھتا تھا کہ ہرگز ہرگز میں ایسے منصب کا مستحق نہیں ہوں اس لئے اپنے اعذار (عذر کی جمع) کو پیش کر کے اپنے محترم اور معظم بزرگ مولانا ابوبکر صاحب ناظم دینیات و سیکرٹری شعبہ مدارس اسلامیہ سے بار بار ملتجی (درخواست گذار) ہوا کہ وہ مجھ کو ایسے اہم منصب سے سبکدوش (ذمہ داری سے فارغ) فرمائیں اور میری عدیم الفرصتی اور نالائقی کو ملاحظہ فرماتے ہوئے نظر عفوو کرم کو کام میں لائیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ مولانا موصوف نے میری التجاؤں پر التفات نہ فرمایا اور کشاں کشاں (خوشی خوشی) مجھ کو آپ حضرات کی بارگاہ عالیہ میں پہنچادیا۔ بہرحال میں تہ دل سے مولانا دامت برکاتھم اور آپ بزرگوں کا شکر گذار ہوں اور بے علمی اور ناقابلیت کے اقرار کے ساتھ چند معروضات پیش کرنے کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ فان کان صوابا فمن اللہ و توفیقہ وان کان باطلا فمنی و من الشیطان (اگر تو درست ہوں تو اللہ اور اس کی توفیق کے سبب ہوں گی اور اگر نادرست ہوں تو میری اور شیطان کی طرف نسبت ہو گی)

انسانی زندگی کی وسعت اور اسلامی تعلیمات کی جامعیت

میرے محترم بزرگو! آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ (علی صاحبها الصلوۃ والتحیتہ) جس طرح آخرت کے فلاح و نجاح (کامیابی) کے ذرائع اور اسباب کو بتلاتی ہیں اسی طرح اس دنیاوی زندگی کے فلاح و بہبودی پر بھی پوری روشنی ڈالتی ہیں۔ وہ جس طرح روحانیت اور ملکیت (ماورائے مادیت) کی دشوار گذار گھاٹیوں میں رہنمائی کرتی ہیں۔

اسی طرح مادیت اور بہیمیت (حیوانیت) کی اصلاح اور درستی کی راہوں میں بھی مشعل ہدایت بنتی ہیں۔ وہ جس طرح مخلوق کو خالق اور اس کی رضا و خوشنودی سے دوچار کرتی ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کے آپس کے تعلقات کو بھی نہایت استوار اور مہذب بناتی ہیں۔ وہ جس طرح شخصی اور انفرادی اخلاق و اعمال کی درستی کی ذمہ داری قبول کرتی ہیں۔ اسی طرح اجتماعی زندگی اور سیاسی ترقیات کی بھی کفالت کرتی ہیں۔

وہ اگر ایک طرف تدبیر منزل (عائلی معاملات کی نگرانی) اور سیاسیات مدینہ (اجتماعی نظام) کی اصلاحی (یعنی فساد کو مٹا دینے والی) اسکیم پیش کرتی ہیں تو دوسری طرف اعتقادات حقہ اور حکم بالغہ (مکمل حکمتوں) کی طرف بھی ہدایت کرتی ہیں۔ انہوں نے اگر اوہام و شکوک اور عقائد باطلہ کا قلع قمع کر دیا (بنیاد سے اکھاڑ دیا) ہے تو دوسری طرف بیکاری اور گداگری، آرام طلبی، اسراف، فضول خرچی، ظلم و ستم، کمزوروں اور ضعفاء کو ستانے وغیرہ کو بھی جڑ سے کھود ڈالا ہے۔ غرض یہ ہے کہ عالم انسانی کی روحانی اور جسمانی زندگی اور ترقی کی جس قدر ضرورتیں اور حوائج (حاجات) تھیں خواہ اس عالم (دنیا) سے تعلق رکھتی ہوں یا آئندہ پیش آنے والے عالم (آخرت) سے وابستہ ہوں سب ہی کے لئے ان میں مکمل ہدایات اور رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کو اٹھا کر دیکھئے اگر ایک جگہ اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ (نماز قائم کرو اور زکوۃ دیا کرو) کا حکم ہے تو دوسری جگہ واعدوا لھم ما استطعتم الآیہ (دشمن سے مقابلہ کے لئے ہر ممکن تیاری کرو) کا ارشاد ہے اگر کہیں یاایھا الذین آمنو اذکر واللہ ذکراً کثیراً (اے ایمان والو بکثرت اللہ کا ذکر کرو) فرمایا گیا ہے تو دوسری جگہ اصلحوا بین اخویکم (اپنے بھائیوں کے مابین صلح کراؤ) اور لا تنابزوا بالالقاب (برے القاب سے مت پکارو) وغیرہ آداب معاشرت کو ذکر کیا گیا ہے۔ اگر کہیں حج روزہ اور زکوۃ کے احکام ذکر کئے گئے ہیں تو دوسری جگہ جہانبانی (نظام حکومت) اور حدود و قصاص تعزیر و نکاح، طلاق و خلع، جنگ و صلح کے قوانین بتلائے گئے ہیں۔ اگر کہیں اعمال و اموال کی اصلاحی تدبیریں اور زہد و ریاضت کی عمدہ صورتیں بتائی گئی ہیں تو دوسری جگہ عقائد حقہ اور علوم صادقہ (سچے علوم) کی تعلیمات موجود ہیں اگر کہیں امم ماضیہ (گذشتہ امتوں) اور اقوام عالم کی تاریخ پیش کرکے عبرت دلائی گئی ہے تو دوسری جگہ زمینوں اور اقالیم (خطوں) کی جغرافیائی حالتوں اور ان کی آیات (نشانیوں) وغیرہ کو نظر فکر و غور سے دیکھنے کا ارشاد کیا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ فلکیات اور نجوم و کواکب (ستاروں و سیاروں) کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو دوسری طرف کائنات الجو (ماحولیاتی کائنات) اور نفسات کو پیش کیا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ فلسفہ جمادات، نباتات، حیوانات، عنصریات، طبیعات

و مابعد الطبیعات کو سمجھایا گیا ہے تو دوسری جگہ حکمت ابدان و نفوس (جسمانی و نفسیاتی حکمت)، روحانیات عالم ملکوت، فوق الحسیات (ظاہری حواس سے بالا امور) وغیرہ کو روشن کیا گیا ہے۔

الحاصل مذہب اسلام اور اس کے علوم و تعلیمات ایک جامع اور مکمل روشنی ہے۔ جس میں ہر قسم کی اصلاح اور ہر نوع کی ہدایتیں موجود ہیں۔ وہ ان مذاہب کی طرح ناقص مذہب نہیں ہے۔ جس میں انسانی نجات کے ایک پہلو کا تکفل کیا گیا ہو (ذمہ داری قبول کی گئی ہو) اور دوسرے پہلوؤں سے اعراض (بے رخی) اور بے توجہی برتی گئی ہو۔[2]

سیرت طیبہ انسانی زندگی کے لئے کامل نمونہ

جناب رسول اللہ ﷺ کی تئیس سالہ زندگی اور تعلیمات کو ملاحظہ فرمایئے کہ کس قدر جامع واقع ہوئی ہیں

مدبر سیاست

اگر ایک طرف آپؐ اصول خلافت و سلطنت، جمہوریت اور آداب حکمرانی، تدابیر مملکت، حل و عقد (ریاستی امور کا بندوبست)، صلح و جنگ وغیرہ عمل میں لاتے اور تعلیم فرماتے ہیں

معلم اخلاق و معاشرت

تو دوسری طرف سیاست منزلی (عائلی امور کا انتظام) تہذیب اخلاق، آراستگی آداب، خاندانی معاملات، گھرانوں کے آپس کے تعلقات کو اعلیٰ پیمانے پر عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو سکھلاتے ہیں

سچے منصف

اگر کبھی آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام مسند قضاء (عدالتی منصب) اور کرسی انصاف و فصل خصومات (جھگڑے نمٹانے) قطع منازعات (تنازعات ختم کرنے) پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے ججی اور چیف جسٹس کے فرائض کو انجام دیتے اور امت کو ان کا درس دیتے ہوئے ان کے دستور العمل کی تعلیم کرتے ہیں

ماہر قانون

تو کبھی قواعد تقنین (قانون سازی کے اصول) استخراج مسائل (مسائل اخذ کرنا)، افتاء واقعات (درپیش امور میں رہنمائی) استنباط احکام (احکامات دریافت کرنا) عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو لاء (Law) اور قانون کا ماہر بناتے ہیں۔

صدر ریاست

اگر کبھی آپ کرسی احتساب پر بیٹھے ہوئے حدود وقصاص، تعزیر و حبس (قید) ضرب حدود (قرآنی سزاؤں کے اجراء) تادیب وغیرہ مجرموں، قانون کو ہاتھوں میں لینے والوں، اہل فسق وفجور (فطری حدود توڑنے والوں) اصحاب بغی وعدوان (ظلم پیشہ افراد) ارباب منکرات (ناپسندیدہ سرگرمیوں کے عادی) قانون شکنی کرنے والوں وغیرہ پر جاری فرماتے ہوئے طرق سیاست (سیاسی طریقے) بدعات (کے انسداد) قواعد احتساب، ذرائع سد منکرات (ناپسندیدہ سرگرمیوں کا انسداد) قوانین روک تھام مداخل شہوات و غضب، تعدی و غصب (حرص، غصہ، ظلم و زیادتی کے بنیادی اسباب کے سدباب) تعلیم فرماتے ہیں

معلم قرآن

تو کبھی خوش الحانی اور عمدہ طریقہ پر قرآن خوانی کرتے ہوئے قلوب و ارواح کو زندہ کرتے اور قواعد قرات و تجوید مخارج حروف (حروف تہجی کو درست جگہ سے ظاہر کرنے) اور صفات اظہار و اخفا (الفاظ کے پڑھنے کے درست انداز) وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔

مربی و مزکی

اور اگر کبھی اوراد (وظائف) وادعیہ (دعائیں) نوافل و روزہ، شب بیداری اور تہجد گذاری، ذکر اذکار، اعمال روحانی وغیرہ میں مستغرق (مکمل مشغول) ہوتے ہوئے انوار ربانیہ (خدائی انوارات) کو جلوہ افروز (واضح کرتے) اور ملائکہ روحانیہ (روحانی ملکات) کو جذب کرتے اور مادی ظلمات (اندھیروں) اور نفسانی کثافتوں (آلودگیوں) کو دور کرتے ہوئے حاضرین بارگاہ کی غفلتوں اور پراگندگی کو دفع کرتے ہیں۔ ان کو طرق ذکر و فکر وغیرہ کی تعلیم اور ان کا تصفیہ (سنوارنے) اور تزکیہ کرتے (دل مانجھتے) ہوئے پائے جاتے ہیں

صاحب حکمت

تو کبھی اسرار (راز) ذات و صفات و افعال و احکام الہیہ اور بے غایت و بے نہایت (لاتعداد اور بے شمار) علوم و حقائق کو بیان فرماتے ہوئے لوگوں کو علوم حقائق اور حکم حقیقیہ (حقیقی حکمتوں) کی تعلیم کرتے ہیں

واعظ و خطیب

اگر کبھی آپؐ ممبر وعظ و نصیحت پر جلوہ فرماتے ہوئے دلوں اور روحوں میں زلزلہ (ولولہ) ڈالتے ہیں اور ترغیب (آمادہ کرنے) اور ترہیب (خبردار کرنے) کے میدان میں اتر کر دوزخ کے عذاب، قبر اور حشر و نشر کے ہولناک مناظر حساب اور میزان و پل صراط کے جاں گداز مصائب اور مشکلات، جنت کی اعلی درجہ کی نعمتیں اور اس کے مقامات عالیہ اور ان کے

ذرائع اور اسباب کو ذکر کر کے کافروں کی زناروں (فرسودہ مذہبی علامتوں) کو توڑ ڈالتے' نافرمانوں اور عاصیوں (گنہگاروں) سے توبہ کراتے' سخت دلوں کو موم بناتے اور مادی دنیا اور اس کے تعلقات سے زاہد (بے لگاؤ) اور متنفر کرتے ہوئے حق شناسی کی تعلیم و تلقین کے میدان میں اترے ہوئے دکھائی دیتے ہیں

سپہ سالار

تو کبھی میادین (میدان کی جمع) جنگ احد' بدر' حنین' تبوک وغیرہ میں اتر کر مورچہ بندی' صف آرائی' ترتیب افواج' قتل و قتال' فتح و شکست وغیرہ خدمات سپہ سالاری و جرنیلی

3

انجام دیتے ہوئے لوگوں کو مکمل فوجی تعلیم دیتے ہیں

ماہر اقتصادیات

اگر کبھی آپ ماہر اقتصادیات اور استاد معاشیات بن کر تجارات' صناعات (فنون و ہنر) کسب معیشت' زراعت (کھیتی باڑی) وغیرہ کی تعلیمات اور ترغیبات دیتے ہوئے اقتصادیات کی تلقین بے کاری اور گداگری کی قباحتیں ذکر فرماتے اور بیع و شراء (خرید و فروخت) مزارعت (زمین کی آبادی) اور مساقاۃ (باغات کی آبادی) سلم (پیشگی رقم پر مقررہ مدت کے بعد خریداری) واجارہ (کرایہ داری) رہن (گروی) اور حوالہ (قرض کی ادائیگی میں تعاون کا نظام) کفالت (ذمہ داری میں شراکت) اور شرکت (مشترکہ کاروبار) وقف (جائیداد کو عوامی مفاد میں دینا) اور ودیعت (امانت کا نظام) وغیرہ ضروری معاملات کے قوانین بناتے اور تعلیم دیتے ہیں۔

مبلغ و داعی

تو کبھی فرائض رسالت و سفارت انجام دیتے ہوئے تبلیغ اور دعوت فرماتے اور دنیا کی قوموں اور بادشاہوں کو حق پرستی اور حقیقی اصلاح اور نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں کو حسب استعداد و قابلیت اطراف عالم (دنیا کے گوشوں) کی طرف بھیجتے ہیں۔ اقوام عالم کے قلوب کو مائل کرنے ان کی ارواح کو مسخر (جذب) کرنے کی عمدہ سے عمدہ تدبیریں عمل میں لاتے ہیں

مرشد کامل

اگر کبھی مرشد کامل بن کر ارشاد و تلقین (رہنمائی) تزکیہ (دلوں کی صفائی) اور تجلیہ (دلوں کو روشن کرنے) عمل میں لاتے ہوئے اپنی روحانی طاقت اور توجہ قلبی سے لوگوں کے دلوں اور روحوں سے نفسانی کدورتوں اور مادی آلائشوں کو دور کرتے اور اُس کی تعلیم دیتے ہیں۔

طبیب و معالج

تو کبھی جسمانی امراض اور ابدانی اسقام (بدنی کمزوریوں) کے معالجہ کرنے والے خواص عقاقیر و ادویہ اور امراض کی تشخیص کرنے والے اور اس کی تعلیم دینے والے نظر آتے ہیں۔ الغرض جناب رسول اللہ ﷺ کی تیئیس سالہ زندگی اور آپ کی تعلیمات پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے اور آپ کی تعلیمات پر توجہ کی جائے تو اس قدر جامع اور کامل نظر آئیں گی کہ جس کی نظیر کسی رہبر اور کسی ہادی (رہنما) میں ملنی دشوار بلکہ محال ہے۔ آپ کی صداقت اور کمالات کے متعلق جو کچھ غیر مسلموں نے لکھا ہے اور جو کچھ آپ کی سچی اور بے لوث مکمل تعلیمات پر مخالفین نے رائے زنی کی ہے اگر ہم جمع کریں تو ایک طویل دفتر جمع ہو جائے۔ مگر بطور مشتے نمونہ از خروارے (ڈھیر سے ایک مٹھی نمونہ کے طور پر) ہم مسٹر طامس کارلائل کا وہ مقولہ نقل کرتے ہیں جو اس نے اپنی تصنیف ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ (HEROS AND HERO WORSHIP) میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے

"صاف شفاف قلب اور پاکیزہ روح رکھنے والے محمد ﷺ دنیوی ہوا و ہوس (خواہشات و لالچ) سے بالکل بے لوث (بے غرض) ہیں۔ ان کے خیالات نہایت متبرک (برکت والے) اور ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ وہ ایک سرگرم اور پرجوش ریفارمر (مصلح) تھے۔ جن کو خدا نے گمراہوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا تھا۔ ایسے شخص کا کلام خود خدا کی آواز ہے۔ محمد ﷺ نے انتھک کوشش کر کے حقانیت کی اشاعت کی اور زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ دنیا کے ہر حصہ میں ان کے متبعین (پیروکار) بکثرت موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ محمد ﷺ کی صداقت کامیاب ہوئی۔ (عصر جدید۔ ۱۸ اگست ۱۹۲۹)

جماعت صحابہؓ کے کارناموں کی عمومیت و ہمہ گیریت

اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرامؓ اور تلامیذ عظام (عظمت والے شاگردوں) نے کامل ہادی اور مکمل ریفارمر (مصلح کل اور انقلابی) بن کر آپ کے بعد ہی تقریباً تمام دنیا میں عدل اور حقانیت، خدا ترسی اور عدالت، اخلاص اور للہیت، سچی مساوات اور مکمل سیاست، کامل ہمدردی اور اخوت و انصاف اور جمہوریت پھیلا دی۔ بچوں کا قتل کرنا مٹا دیا، ناروا (بلاجواز) غلامی کو دور کر دیا۔ ملکی حقوق میں برابری دے دی۔ اپنوں اور غیروں، مسلم اور غیر مسلم، ایشیائی اور افریقی، عرب اور عجم وغیرہ میں یکساں انصاف کیا۔ بھاری بھاری محصولات (ٹیکس) سلطنت کو گھٹا کر دسواں (عشرہ) اور بیسواں (نصف عشر) اور چالیسواں حصہ

(زکوٰۃ) کردیا۔ تجارت کو تمام بے جا محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا۔ اسلام کے معتقدین کو مذہبی سرگروہوں (نمائندوں) کے لئے جبریہ ٹیکس دینے سے بری کردیا۔ مغلوب مذاہب پر غالب کے لئے مذہبی چندوں کی رسم کو مٹا دیا۔ انہوں نے مفتوح اقوام کو بھی ہر قسم کے حقوق اپنوں کی طرح عطاء کئے جو کہ اپنے ہی مذاہب کے پابند تھے ان کے جان و مال عزت و آبرو کی اس طرح حفاظت کی جس طرح مسلم اقوام کی کی جاتی تھی۔ ان کو ہر قسم کی پناہ دی۔ انہوں نے مال کی حفاظت کے لئے سود لینے کو اور بغیر حکم عدالت خون کا بدلہ لینے کو موقوف (ختم) کردیا' صفائی اور پرہیزگاری کا تحفظ کیا۔ حرام کاری کو موقوف کردیا۔ غریبوں کو (ان کی عزت نفس کے تحفظ کے ساتھ) خیرات دینے اور بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحمت و شفقت کی ہدایت کی۔ حیاء اور شرم کو پھیلایا۔ فواحش (بے حیائیوں) اور منکرات (غیر معقول رسوم و قوانین) کو مٹایا۔ اوہام باطلہ (بے جا تصورات) اور من گھڑت اور مادی الٰہ (خداؤں) کی حکومت کو اقوام عالم سے نیست و نابود (ختم) کردیا اور ان کی نفرت لوگوں کے دلوں میں پیدا کردی۔

ان تھوڑے ہی دنوں کی تعلیم و تربیت سے اگر ایک طرف خالد بن ولیدؓ' ابو عبیدہ بن الجراحؓ' سعد بن وقاصؓ' عمرو بن عاصؓ' سلمان فارسیؓ وغیرہم جیسے فاتحین عالم اور سپہ سالار پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تو دوسری طرف ابوبکر بن ابی قحافہؓ' عمر بن خطابؓ' عثمان بن عفانؓ' معاویہ بن ابی سفیانؓ جیسے سیاسی جہاں باں (حکمران) بنا دیئے گئے۔ اگر ایک طرف ابو ذر غفاریؓ' عبداللہ بن عمرؓ' عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جیسے زہاد و عباد و تارک الدنیا (دنیوی دلچسپیوں سے یکسو) بن گئے تو دوسری طرف حکیم بن حزامؓ' عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے اعلیٰ درجہ کے تاجر تیار ہو گئے۔ اگر ایک طرف حضرت علی بن ابی طالبؓ' زید بن ثابتؓ' عبداللہ بن عباسؓ' جیسے قاضی اور جج تیار ہو گئے تو دوسری طرف ابو ہریرہؓ' انس بن مالکؓ' عبداللہ بن مسعودؓ جیسے پروفیسران علوم موجود ہو گئے۔ (اگر طول (طوالت) کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کی تفصیلی فہرست پیش کرتا)۔

یہی تعلیمی جامعیت اور مذہب کی ہر قسم اور ہر شعبہ پر شان احتوا (ہمہ گیریت) تھی جس کے ہر ہر قانون اور ہر ہر قاعدہ میں مشفقانہ اصلاح اور مربیانہ (سرپرستانہ) ہمدردی بھری ہوئی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے اقوام عالم پر حکمران بنا دیا۔ بڑی سے بڑی قوتیں ان کے سامنے سربسجود ہو گئیں۔ مذہب اسلام عالم انسانی کے دلوں میں جاگزیں (پیوست) ہو گیا۔ قومیں فوجاً فوجاً (گروہ در گروہ) اسلام کی حلقہ بگوش ہو

گئیں۔ نہ صرف مفتوح قومیں بلکہ اجنبی ممالک اور فاتح قومیں بھی اسلام میں داخل ہو گئیں۔ جن کی بناء پر نہایت ہی تھوڑے عرصہ میں بحر اٹلانٹک کے مشرقی ساحل سے لے کر بحر پاسفک کے مغربی ساحلوں اور اس کے جزائر تک اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور باوجود یہ کہ بانی اسلام کی جدائی کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری چار لاکھ سے زائد نظر نہیں آتی۔ مگر آج (۱۹۴۷ء) بقول نیویارک ٹائمز اسلام کے ماننے والے ستر کروڑ پائے جاتے ہیں (اس وقت سوا ارب سے زائد ہیں' ادارہ)

مسلمانوں کی علمی خدمات کی جامعیت

مسلمانوں نے اسی تعلیم قرآن و حدیث کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرکے علیحدہ علیحدہ فنون بنائے' علم عقائد و توحید میں بہت سی کتابیں مختصر اور مطول (طویل) لکھی گئیں۔ جن میں انہی علوم صادقہ (سچے علوم) اور حقائق یقینیہ (غیر مشکوک اور یقینی حقائق) پر روشنی ڈالی گئی' جو کہ الہیات اور رسالت' مبدا' اور معاد (انسانیت کے آغاز و انجام) وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شکوک اور شبہات باطلہ اور اوہام و خیالات فاسدہ (فضول تصورات) کو جن میں دوسرے مذاہب مبتلا تھے۔ ان کا قلع اور قمع کیا گیا فلسفہ یونان وغیرہ کے ترجمہ ہونے کے بعد جو امور باعث شکوک ہوئے تھے' یا ہو سکتے تھے۔ ان کے ازالہ کے لئے طویل طویل بحثیں پیش آئیں اور علم کلام مدون ہوا۔ ان میں دھریہ' ملاحدہ (ملحدین) یہود' نصاریٰ' بت پرستوں وغیرہ کے شبہات وغیرہ پر پوری روشنی ڈالی گئی۔

علم فقہ میں تمام اسلامی قوانین کو ضبط کیا گیا جو کہ محض طہارت و عبادت' نماز و روزہ' زکوۃ و حج کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں تدبیر منزل (گھریلو امور چلانے) کے تمام قوانین خواہ نکاح و طلاق' عدت و رجعت خلع اور ایلاء وغیرہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا معاشرت اور امور خانہ داری' انصاف بین الازواج والاقرباء والخدمہ (بیویوں' رشتہ داروں اور خدمت گزاروں کے مابین انصاف) سے وابستہ ہوں سب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز غیر مسلم رعایا اور اعداء اسلام (دشمنان اسلام) اور مخالفین خلافت اسلامیہ' نافرمانان قوانین (قانون توڑنے والوں) وغیرہ کے متعلق احکام و تعزیرات' صلح و جنگ' جزیہ اور ٹیکس وغیرہ کے اصول و قوانین بتائے گئے ہیں۔ دنیاوی زندگی کے تمام معاملات' کمپنیوں اور شرکتوں کے قواعد' تجارات اور صناعات (ہنر و فنون) تمسکوں (دستاویزوں) اور اقرار ناموں' فارموں اور اسٹامپ' وصیت ناموں وکالت ناموں وغیرہ کے ضوابط اور صور (صورتیں) درج کئے گئے ہیں۔ فتاویٰ اور شروح جن پر تمام اسلامی حکومتوں کا ہمیشہ عمل درآمد رہا ہے۔ انہی قوانین

سے پر ہیں۔

علم تصوف میں اخلاقیات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ زہد و ریاضت' تقوی اور پرہیزگاری' خدا ترسی اور خلقت پروری روحانیت اور محاسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اصول فقہ' اصول حدیث' اصول تفسیر' تفسیر' قرات و تجوید' تصوف اور ان کے آلات و ذرائع نحو' صرف' معانی' بیان' بدیع' ادب' لغت' فرائض' طب' حساب' ریاضی' جغرافیہ' تاریخ' ہیئت' فلسفہ' منطق' جبرو مقابلہ مساحت (پیمائش) مناظرہ' اصطرلاب ربع مجیب وغیرہ ہر قسم کے فنون ہیں' جن کو مدارس اسلامیہ کے پروگرام میں ہمیشہ سے کم و بیش حصہ دیا گیا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کے مقاصد

ان علوم و فنون میں سب سے زیادہ خدا ترسی اور تعلق الٰہی اور رضاجوئی خداوندی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مخلوق کو خالق سے وابستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اخلاق فاضلہ' خیراندیشی' فیض رسانی' پاک دامنی' حیاء' تحمل' صبر' کفایت شعاری' سچائی' راست بازی' صلح پسندی' سچی محبت و ہمدردی' توکل بخدا' رضا بالقضاء (خدائی فیصلوں پر رضامندی) انقیاد (اطاعت و فرمانبرداری) امرالٰہی' عالی ہمتی' رعایا پروری' رواداری' ایثار و قربانی وغیرہ کو بہت زیادہ سراہا گیا ہے۔ ناانصافی' کذب' غرور' انتقام' غیبت' استہزاء (مذاق اڑانا) طمع (لالچ) فضول گوئی' بدگمانی' قطع رحمی' نفاق وغیرہ برے اخلاق و اعمال کو نہایت زیادہ قابل ملامت و نفریں (نفرت) قرار دیا گیا ہے اور ان کو نہایت زیادہ قبیح (برا) بلکہ بے دینی بتایا گیا ہے۔ ان میں سچائی کے ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ احسان و کرم نفع رسانی اور خیر خواہی کی تاکید کی گئی ہے۔

ابتداء ہی سے تعلیمات اسلامیہ میں ایسی ایسی درسیات (لٹریچر) داخل کی گئی ہیں۔ جن سے بچپن ہی سے اس قسم کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ بے حیائی اور خود غرضی' فواحش اور دست درازی گناہوں وغیرہ سے نفرت دل میں جاگزین (پختہ) ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تعلیمات میں کریما' ما قیما' پندنامہ' عطار' گلستان' بوستان وغیرہ جیسی کتب داخل کی گئیں۔ جن سے روحانیت اور روحانی اخلاق میں روز افزوں ترقی موجزن ہوئی (موجیں مارتی) تھی۔ ان میں خداوند کریم کی غیر محدود طاقت اور علم کا یقین دلایا گیا ہے۔ برائیوں اور ممنوعات (منع کردہ امور) کے ارتکاب پر بے پناہ عذاب خداوندی سے ڈرایا گیا ہے اور فرمانبرداری اور عمدہ اعمال و اخلاق پر غیر متناہی (بیشمار) انعامات کے پختہ وعدے کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے حقیقی امن و امان اور کامل ترقی اور فلاح دنیا اور آخرت میں ہو سکتی ہے تنہائی

میں، مجالس میں، چہار دیواری کے احاطوں میں، پہاڑوں میں، جنگلوں میں، تہ خانوں میں، شہنشاہی تخت پر، مضبوط قلعوں کے احاطوں میں، افواج و عساکر کی قوتوں کے ساتھ، بیچارگی اور کمزوری کی حالت میں، یکساں طور پر برے اعمال و اخلاق سے بچنا اور محاسن افعال و ملکات (اچھے کردار اور رویوں) کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے

سامراجی نظام تعلیم کے مقاصد و اثرات

مگر مغربی علوم اور تعلیمات جدیدہ ان معالی (اعلیٰ مقاصد و اثرات) سے عموماً خالی ہیں۔

۱) الحاد و دہریت

وہ خدا کے وجود اس کی غیر متناہی (نہ ختم ہونے والی) طاقتوں، عالم آخرت کی جزاء اور سزا، اس کی صفات کاملہ وغیرہ سے نہ صرف بے پرواہ ہیں بلکہ بسا اوقات ایسی تعلیم پر استہزاء کرنے (مذاق اڑانے) والی اور الحاد و دہریت کی طرف کھینچ کر لے جانے والی ہیں

۲) مادہ پرستی

وہ روحانیت اور ملکیت (نورانیت) کی دشمن اور مادہ پرستی کی شیدا (عاشق) ہے وہ اسباب مزعومہ (خیالی) اور علل مخترعہ (خود ساختہ وجوہات) کی اس قدر فریفتہ (عاشق) ہے کہ اس کے نیاز مندوں کو کبھی روح اور مافوق الطبیعہ کا وہم و خیال بھی نہیں آتا۔ روحانی ترقیات اور ملکی (نورانی) صفات و احوال سے اس کو انتہائی گریز ہوتا ہے

۳) خود غرضی

وہ خود غرضی کے میدان میں اس قدر سرگرم ہے کہ جس کے لئے اقوام اور امم (امتوں) کو ممالک اور اقالیم (خطوں) کو موت کے گھاٹ اتار دینا اور بے دست و بے درم (کنگال) بنا دینا نہ صرف جائز بلکہ کمال شمار کرتی ہے چنانچہ یہی معاملہ تمام یوروپین اقوام کا اپنی مستعمرات (نو آبادیات) کے ساتھ جاری ہے سر جان شور ۱۸۳۳ء میں لکھتا ہے

"برطانوی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی دستکاری کا گلا گھونٹنا بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تدبیر قرار دیا جاتا ہے حالانکہ یہ برطانوی قساوت (سنگدلی) کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کے لئے انگریزوں نے کس طرح چنگی اور محصول (ٹیکس) لگا کر ہندوستانی صنعتی زندگی کا خاتمہ کیا" دوسری جگہ لکھتا ہے "لیکن ہندوستان کا عہد زرین گذر چکا ہے جو دولت کبھی اس کے پاس تھی اس کا جزو اعظم (بڑا حصہ) ملک کے باہر کھینچ کر بھیج دیا گیا ہے اور اس کے قدرتی عمل کو اس بد عملی کے ناپاک نظام نے معطل کر دیئے ہیں جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت (مفاد) کو چند افراد کے فائدے کی خاطر قربان کر

دیا ہے۔(حکومت خود اختیاری)

۴) نفاق و دغا بازی

وہ نفاق اور ڈپلومیسی (دغا بازی پر مبنی سیاست) کو مایہ فضیلت اور ذریعہ فخر و مباہات (بڑائی) سمجھتی ہے مسٹر جارج ایلن اینڈا نون (لندن کا مشہور پبلشر کتاب) جنس تمدن سے اقتباس ذیل شائع کرتا ہے

"موجودہ تمدن کا سارا لب لباب (خلاصہ) منافقت ہے لوگ اپنا عقیدہ ظاہر خدا پر کرتے ہیں لیکن عملاً اپنی جانیں تک مال پر قربان کرتے رہتے ہیں۔ زبانوں پر آزادی کا دعوی رہتا ہے لیکن جو آزادی کے علم بردار ہوتے ہیں انہی کو سزائیں ملتی ہیں۔ دعویٰ مسیح کی پیروی کا ہے اور اطاعت مسولینی کی جا رہی ہے۔ عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کئے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک (خفیہ مرض) کے لئے وقف ہیں۔ زبانی داد سچائی کی دیتے ہیں لیکن عملاً اقتدار و اختیار کی کرسیوں پر بددیانتوں ہی کو بٹھائے ہوئے ہیں زبانوں پر اخوۃ (بھائی چارے) کے نعرے ہیں لیکن جو بھائی ان کی جنگ یا (تنگ نظر) قومیت کے[6] بدمستانہ جلوسوں میں شریک نہیں ہوتے ان کے لئے یا جیل خانہ ہے یا جلاوطنی یا بندوق کی گولیاں"۔ (سچ لکھنؤ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

۵) فحاشی و بے حیائی

وہ حدود و قوانین کی مراعات (لحاظ) کرتے ہوئے ہر قسم کی بے حیائی، فواحش، اسراف و فضول خرچی کی نہ صرف اجازت دیتی ہے بلکہ بسا اوقات ضروری قرار دیتی ہے۔ انگلستان اور دیگر ممالک یوروپیہ اور امریکہ کے حرامی بچوں کی تعداد، ہائیڈ پارک اور دوسرے مقامات کی حرام کاری کی رپورٹیں اور اعداد و شمار، مادر زاد برہنگی کی روز افزوں ترقی وغیرہ طلاق اور خلع کا موجیں مارنے والا سیلاب دیکھئے اور غور کیجئے

۶) تنگ نظری و جاہلی تعصب

وہ اپنے وطن اور قوم کے لئے ہر قسم کے مظالم ہر قسم کی دست درازیوں کو روا اور جائز رکھتی ہے سرجان شور ۱۸۳۳ء میں کہتا ہے

"برطانیہ نے جو طرز حکومت قائم کیا ہے اس کے تحت ملک اور باشندگان ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان پرانے تاجروں پر جلد تباہی آگئی انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی (ظلم و زیادتی) نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے"۔

جان سلیون کہتا ہے۔

"ہمارا طرز حکومت اسپنج کی مانند گنگا کے دھارے سے ہندوستان کی دولت چوستا ہے اور دریائے ٹیمز کے کنارے جا کر نچوڑ دیتا ہے" (حکومت خود اختیاری)

۷) مذہب دشمنی

وہ مذہب اور دین کو جنوں (پاگل پن) اور لغو قرار دیتے ہوئے لامذہبی اور بے دینی کو مایہ افتخار و مباہات سمجھتی ہے۔ وہ اس دنیاوی زندگی اور مادی ترقیات ہی کو مقصد حیات اور بام ترقی قرار دیتی ہے اس کے بعد اس کے نزدیک کوئی مقصد اور مطمع نظر نہیں ہے۔ وہ انبیاء و رسل کی تعلیمات زاکیہ (پاکیزہ) کو بے معنی اور دشمن انسانیت سمجھتی ہے۔

۸) قطع رحمی

وہ رشتہ داروں میں میل ملاپ، بڑوں اور بزرگوں سے تادب (ادب) چھوٹوں اور اپنوں پر رحمت و شفقت، فقیروں اور مسکینوں کی خبر گیری اور ان پر خیرات و صدقات کی دشمن ہے

۹) تعیش پرستی

وہ سادہ زندگانی اور کم خرچ معیشت کی راہ میں انتہائی رکاوٹ پیدا کرنے والی اور سرمایہ دار مادہ پرست مغربی قوموں کے فیشن کا پرستار بنانے والی ہے۔ خیال فرمائیے کہ وہ امریکہ جس کے ہر ہر فرد کی روزانہ آمدنی کا اوسط ۱۲ روپے اور وہ انگلستان جس کے ہر ہر فرد کی آمدنی کا اوسط روزانہ ۱۲ روپے دو آنے (دیکھو انقلاب مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء) اس کے فیشن اور تہذیب و مصارف کا اتباع (پیروی) اگر برطانوی عہد کا وہ ہندوستان کرنے لگے جس کے ہر ہر فرد کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک پنس ہے بقول سرولیم ڈگبی اور ۱ (چھ پیسے) بقول انقلاب ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ء اور تقریباً ۱ (تین پیسے) بقول لارڈ کرزن پڑتا ہے تو بجز ہلاکت اور بربادی کیا حاصل ہوگا یہی اور ان کے مثل (جیسی) دیگر وجوہ (وجوہات) ہیں۔ جنہوں نے عالم مشرق اور بالخصوص اسلامی دنیا اور بالاخص (اور زیادہ خاص طور پر) مسلمانان ہند کے علوم و معارف اور ان کی درس گاہوں اور ان کی زندگانی کو تباہی کے گھاٹ اتار دیا۔

قرآن حکیم مغربی دانشوروں کی نظر میں اور یورپ کا مذہبی تعصب

مغرب کے سربر آوردوں (بڑوں) نے ہمیشہ سے مشرق کی تعلیم گاہوں اور علوم کو مٹانے میں انتہائی سرگرمی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ قرآن شریف جو کہ تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے اور تمام کمالات دینی و دنیوی، روحانی اور مادی کا مرکز اور منبع (سرچشمہ) ہے۔ جس وقت سے اتارا گیا ہے آج تک محفوظ و مصئون (ردو بدل سے دور) رہ کر ہر قسم کی تحریفات وغیرہ سے محفوظ چلا آتا ہے جس کے ہر قسم کے کمالات کے نہ صرف مسلمان بلکہ

مخالفین بھی پر زور الفاظ میں اقرار کرتے رہتے ہیں
سرولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ (LIFE OF MUHAMMAD) میں لکھتا ہے۔
"جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"
ڈاکٹر موریس فرانسیسی (مشہور مصنف) لکھتا ہے "قرآن اپنی تعلیمی خوبیوں کے لحاظ سے تمام دنیا کی مذہبی کتابوں سے افضل ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے جو کتابیں دیں۔ ان سب میں قرآن بہترین کتاب ہے"۔
ڈاکٹر موریس کہتا ہے "قرآن نے دنیا پر وہ اثر ڈالا جس سے بہتر ممکن نہ تھا (تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی)
ڈاکٹر اسٹین گاس اپنی ڈکشنری میں کہتا ہے "قرآن کی خاص خوبی اس کی ہمہ گیر صداقت میں مضمر ہے"
7
جارج سیل (مشہور مترجم قرآن) کہتا ہے "قرآن جیسی معجز کتاب انسانی قلم نہیں لکھ سکتا۔ یہ وہ مستقل معجزہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ سے بلند تر ہے"۔
پادری والرسن بی ڈی (پٹسبرگ کے گرجے میں امن عالم کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے) کہتا ہے "مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے۔ ایک امن و سلامتی کا مذہب ہے"
گارڈ فری ہگنس کہتا ہے "قرآن کمزوروں اور غریبوں کا غم خوار ہے اور ناانصافی کی جابجا مذمت کرتا ہے"
ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلر (کلیسائی انگلستان کے صدر نشین کی حیثیت سے ۱۸۷۷ء میں تقریر کرتے ہوئے) کہتا ہے "اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تہذیب و تمدن کا علمبردار ہے" نیز ایسٹ (لندن کا مشہور اخبار) لکھتا ہے "محمد ﷺ کی تعلیم و ارشاد (قرآن) کی قدر و قیمت اور عظمت و فضیلت کو اگر ہم تسلیم نہ کریں تو ہم فی الحقیقت عقل و دانش سے بیگانہ ہوں گے"
مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن (AND THE QURAN APOLOGYFORMUHAMMAD) میں لکھتا ہے (معجزہ قرآن مجید صفحہ ۱۶۳)
"منجملہ بہت سی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے جو قرآن کے لئے واجب (ضروری) طور پر باعث فخر و ناز ہو سکتی ہیں وہ خوبیاں نہایت بین (واضح) ہیں یعنی اول تو اس کا وہ مودبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا ہوا طرز بیان جو ہر اس مقام پر جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر یا اس کی ذات کی

طرف اشارہ ہے اختیار کیا گیا ہے اور جس میں خداوند عالم کی ذات سے ان جذبات اور اخلاقی نقائص کو منسوب نہیں کیا گیا جو انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا ان تمام خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرا (پاک) ہونا جو فحش اور خلاف اخلاق اور غیر مہذب ہوں۔ حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہ عیب توریت وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت قرآن ان سخت عیوب سے ایسا مبرا ہے کہ اس میں خفیف سے خفیف (ہلکی سے ہلکی) ترمیم کی بھی ضرورت نہیں۔ اول سے آخر تک اسے پڑھا جائے تو اس میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے کے چہرے پر شرم و حیاء کے آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذات باری تعالیٰ کی تعریف نہایت مشرح (واضح) اور صاف ہے اور جو مذہب اس نے ان خوبیوں کے ساتھ قائم کیا ہے۔ وہ وحدانیت الٰہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہے اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مسبب الاسباب مان لیا جائے جو اس عالم کو اپنے مقررہ قوانین پر چلا کر خود ایسی شان و عظمت کے ساتھ الگ ہے کہ اس تک کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔ قرآن کی رو سے وہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور اس کی قدرت کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل (عمل کرنے والی) اور متصرف (دخل دینے والی) ہے۔ علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں کوئی امر متنازعہ فیہ (جس میں اختلاف کیا گیا ہو) نہیں اور چونکہ اس میں کوئی ایسا معمہ (پیچیدگی) نہیں جو سمجھ میں نہ آئے اور زبردستی قبول کرنا پڑے۔ اس لئے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور ایسی پرستش (عبادت) پر قائم رکھتا ہے جو تغیر پذیر (تبدیل ہونے والی) نہیں ہے۔ حالانکہ تیز و تند اور اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروان اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر کر دیا ہے۔

سب سے آخر یہ بات ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس سے ولیوں، شہیدوں اور تبرکات اور تصویروں کی پرستش اور ناقابل فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید (تنہا رہنا) اور تعذیب نفس (اپنے آپ کو عذاب دینا) بالکل خارج کر دی گئی ہیں چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بانی نے ماہیت اشیاء (چیزوں کی حقیقت) اور اس زمانہ کی قوموں کی حالت نیز اس امر پر کہ مسائل مذہبی، عقل سے کیونکر مطابق ہو سکتے ہیں۔ ایک طویل اور عمیق (گہرے) غور کے بعد اپنے مذہب کی بناء (بنیاد) ڈالی ہے اور اس وجہ سے یہ کچھ محل (مقام) تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور (انداز) کی پرستش اہل کعبہ کی بت پرستی اور صائبین کی پرستش اجرام فلکی (آسمانی ستاروں کی پوجا) اور زردشتیوں کی آتش پرستی (آگ پوجا) پر غالب آگئی"۔

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار مذہب اسلام کے متعلق لکھتا ہے (معجزہ قرآن مجید صفحہ ۱۶۷)

"مذہب اسلام کا وہ حصہ جس میں بہت کم تغیرو تبدل ہوا ہے (بلکہ نہیں ہوا ہے۔ مقرر) اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے۔ ناانصافی 'کذب' غرور' انتقام' غیبت' استہزاء' طمع' فضول خرچی' عیاشی' خیانت اور بدگمانی' نہایت قابل ملامت قرار دی گئی ہیں اور ان کو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ بمقابلہ ان کے خیر اندیشی' فیض رسانی' پاکدامنی' حیاء' تحمل' صبر' کفایت شعاری' سچائی' راست بازی' عالی ہمتی' صلح پسندی اور سچی محبت اور سب سے بڑھ کر توکل بخدا (اللہ پر بھروسہ) اور انقیاد (فرمانبرداری) امرالٰہی کو حقیقی ایمان داری کی اصل بنیاد اور مومن صادق (سچے مومن) کا اصلی نشان قرار دیا ہے"۔

اس مکمل کتاب اور بے نظیر کلام الٰہی کے متعلق (مشہور ذمہ دار برطانیہ) مسٹر گلیڈ سٹون بھرے مجمع میں اس کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے کہتا ہے

8

"جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی"

انہی علوم اور مدارس کے مٹانے اور مہلک (ہلاکت خیز) علوم جدیدہ کو شائع کرنے کے لئے لارڈ میکالے کہتا ہے "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو اگر رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل و دماغ کے اعتبار سے فرنگی" (مدینہ بجنور ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء)

ہندوستان کا اعلیٰ تہذیب و تمدن

باوجود یہ کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت سے پہلے ہر ہر قریہ اور دیہات میں مشرقی علوم کے مدارس موجود تھے جیسا کہ سر تھامس منرو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

"ہندوستانیوں کا طریقہ کاشتکاری' بے مثل صنعت و حرفت' ان کی صنعت و کاشتکاری کے معاملات میں اعلیٰ استعداد' ہر قریہ میں ایسے مدارس کی موجودگی جس میں نوشت و خواند (لکھنے پڑھنے) اور حساب کی تعلیم ہوتی ہو۔ ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ صنف نازک پر پورا اعتماد کیا جاتا ہو۔ اس کی عزت' عصمت اور عفت کا پوری طرح لحاظ رکھا جاتا ہو۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہم اس قوم کو غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستان کو یوروپی اقوام سے کسی طرح کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر انگلستان اور ہندوستان کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو

کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ (دیکھو حکومت خود اختیاری)

سامراج کی تعلیم کش پالیسی

مگر برطانوی حکومت نے ان مدارس کو اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بناء پر تباہ و برباد کر دیا۔ مسٹرلڈلو اپنی تاریخ برطانوی ہند میں لکھتا ہے

"مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کے ہر گاؤں میں جو اپنی قدیمی شان اور حیثیت کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ عام طور پر بچے لکھ پڑھ سکتے تھے اور حساب میں بھی انہیں خاص مہارت ہوتی تھی لیکن ہم نے بنگال کی طرح جہاں جہاں دیسی سسٹم کو فنا کر دیا ہے اس جگہ دیسی مدرسے بھی فنا ہو گئے" (حکومت خود اختیاری) جبکہ ہندوؤں کے ہر ہر گاؤں میں بچے عام طور پر لکھے پڑھے ہوئے ہوتے تھے اور مدارس قائم تھے تو مسلمانوں کے گاؤں میں اور ان کی اولاد میں کہیں زیادہ تعلیم گاہیں اور علم و ہنر ہوگا کیونکہ مسلمانوں کا مذہب تعلیم و تعلم (پڑھنے پڑھانے) کو فرض قرار دیتا ہے۔ نیز وہ اس وقت تمام سیاست اور نظام کے مالک تھے۔

آنریبل مسٹرالفنسٹن اور ایف وارڈن نے ۱۸۲۸ء اور ۱۸۲۳ء میں مسئلہ تعلیم پر ایک یادداشت مرتب کی تھی۔ جس میں انہوں نے اس نقصان کو تسلیم کیا جو ملک کو انگریزوں کی ذات سے پہنچا تھا۔ ان کے الفاظ حسب ذیل ہیں

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے ہیں اور ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ترغیب نہیں ہوتی بلکہ اس سے قوم کا علم سلب ہوا جاتا ہے اور علم کے پچھلے ذخیرے نسیاً منسیاً ہوئے (بھول بھلا کر رہ) جاتے ہیں۔ اس الزام کے رفع (دور) کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے"۔ (حکومت خود اختیاری)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ میں برطانوی مدبرین (پالیسی سازوں) نے مدارس اور تعلیم گاہوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ملک ہند سے علمی ذخائر کو معدوم (ناپید) کر کے عام ہندوستانیوں کو جاہل بنا دیا تھا۔ برطانوی ناپاک پالیسی کا ہمیشہ سے تقاضا یہی رہا ہے کہ وہ ہندوستانیوں میں کسی قسم کے علوم کو بھی رائج نہ ہونے دے

سر ولیم ڈگبی اپنی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا (PROSPEROUS BRITISH INDIA) میں میجر جرنیل اسمتھ کے سی بی کی شہادت قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے

سوال نمبر ۵۶۳۰: کیا آپ کسی طرح اس بات کو روک سکتے ہیں کہ دیسیوں کو ان کی طاقت کا علم نہ ہو

جواب: میرے خیال میں انسانی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ معدودے چند اغیار (باہر کے گنے چنے افراد) چھ کروڑ آبادی کے ملک پر حکمرانی کر سکیں۔ غالباً یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں تمام ملک نہیں آیا تھا) جسے آج کل رائے کی بادشاہت (حکمرانی) کہتے ہیں۔ اس لئے جونہی وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو تعلیم کی تاثیر سے ان کے قومی اور مذہبی تفرقے دور ہو جائیں گے۔ جس کے ذریعے سے ہم نے اب تک اس ملک کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کرنا اور علی ہذاالقیاس تعلیم کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ ان کے دل (حوصلے) بڑھ جائیں گے اور انہیں اپنی طاقت سے آگاہی ہو جائے گی۔

الغرض برطانیہ نے ابتداء ہی سے علم اور ذرائع کو اپنی اغراض فاسدہ (ناجائز مقاصد) اور نجس (ناپاک) پالیسی کی بناپر فنا کردیا اور جب بہت زیادہ شور و شغب (چرچا) اس کے لئے بپا ہوا تو ایسی تعلیمات اور درس گاہیں کھولیں اور ایسا پروگرام بنایا جو کہ اس کے ناپاک مقاصد کے لئے معین و مددگار بن کر ہندوستانیوں کے لئے حقیقی زندگانی کی راہ میں کانٹا ہو جائے (رکاوٹ بن جائے) چنانچہ موجودہ تعلیمات پر غور و فکر کرنے والا آدمی بخوبی پہچان سکتا ہے مگر اس پر بھی صیغہ (شعبہ) تعلیمات سے نہایت ہی زیادہ سرد مہری (بے توجہی) برتی جاتی ہے اور معمولی لکھنے پڑھنے والے فی صدی دس آدمی بھی تمام ہندوستان میں نظر نہیں آتے۔ فی صدی پانچ بھی تعلیم پر خرچ کرنا گورنمنٹ کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے (پاکستان میں تعلیم کی صورتحال اس سے بھی زیادہ سنگین ہے "ادارہ") جبکہ معمولی نوشت و خواند کی یہ حالت ہے تو اسلامی علوم و فنون سے جس قدر بھی دشمنی تسلیم کی جائے بے جانہ ہوگی۔ یہی وجہ ہوئی کہ ۱۸۵۷ء تک تمام ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا وجود ناپید ہو چکا تھا اور بچے کھچے علماء اسلام کو خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ میں فنا کیا گیا۔

قومی دینی مدارس کے قیام کا پس منظر

اب حالت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ مذہب اسلام کی حفاظت اور بقاء کی کوئی بھی صورت نہ تھی وہ نام کے اسلامی مدارس بھی باقی نہ تھے۔ جن سے کسی قسم کی اشک شوئی کی جا سکتی (آنسو پونچھے جاسکتے) ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے ہر قسم کا علمی ذخیرہ بلکہ نفس اسلام کی تعلیم عربی اور فارسی ہی زبان میں تھی اور ہے۔ بغیر اس کی تعلیم کے جاری ہونے کے اسلام کا ہی بقاء ناممکن تھا۔ اس لئے بقیہ السیف (زندہ بچ رہنے والے) علماء کو ضروری معلوم ہوا کہ پوری جدوجہد کے ساتھ مذہبی علوم اور اسلامی فنون کو ملک میں جاری کریں یہ بدیہی (واضح) امر ہے کہ مسلمان اگر کیسی ہی ترقی مال و دولت، حکومت و تجارت وغیرہ میں کریں مگر اسلام

اور اس کے احکام سے نابلد اور ناواقف ہوں تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جا سکتی، چہ جائیکہ وہ نجات اور فائز المرامی (مقاصد میں کامیابی) کے مستحق ہوں۔

ارباب ہمم (ہمت و عزم کے مالک حضرات) اسی ضرورت کو محسوس کر کے خدا کے نام پر اٹھے۔ قوم کو اس طرف متوجہ کیا۔ ہر قسم کی صعوبتیں جن کے وہ کبھی عادی نہ تھے برداشت کیں اور اسلامی مدارس کی بنیاد ڈالی۔

متقدم (قدیم) مدارس میں دار العلوم دیوبند چند پاکیزہ ہستیوں کی جدوجہد سے قائم ہوا اور وہ تدریجی ترقی کرتا ہوا تھوڑے ہی عرصہ میں مرکزی شان پر فائز ہو گیا۔ اسی طرح سہارنپور کا مدرسہ مظاہر العلوم اس کے چھ ماہ یا کم و بیش زمانہ کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ نیز مراد آباد میں مدرسہ قاسم العلوم، مدرسہ امدادیہ، نگینہ، روڑکی، امروہہ، گلاوٹی، بلند شہر، میرٹھ، مظفر نگر، دھلی، کان پور، لکھنؤ، بنارس، مبارک پور، مئو، الہ آباد، بریلی، شاہجہان پور، خواجہ رامپور وغیرہ میں مذہبی مدارس قائم کئے گئے اور تمام علوم و فنون اسلامیہ عربی زبان کے تعلیمی طور پر رائج کئے گئے۔ جن سے ہزاروں علماء مختلف استعداد اور قابلیت کے پیدا ہوئے۔ جنہوں نے مذہب اسلام کے تحفظ اور اس کی تبلیغی خدمات میں کم و بیش حصہ لیا اگر خدانخواستہ ایسا نہ کیا جاتا تو یقیناً آج ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اسلام کا نام تک بھی باقی نہ رہ جاتا۔ یو پی کے علاوہ صوبہ بنگال، آسام، بہار، مدراس، بمبئی، سندھ، پنجاب، فرنٹیئر، برار وغیرہ میں بھی بیداری روز افزوں (ہر روز بڑھتی ہوئی) ترقی پذیر ہوئی اور یکے بعد دیگرے مدارس قائم ہوئے۔ جن سے ان صوبوں کے مسلمانوں کا تحفظ بڑے درجہ تک عمل میں آیا۔

انگریز کی اسلام دشمن ذہنیت

میرے محترم بزرگو! ایک ایسے ملک میں جہاں سے حکومت اسلامیہ کا ظل (سایہ) خداوندی اٹھ گیا ہو۔ اس کی جگہ پر قائم ہونے والی حکومت پردیسی اور غیر مسلم ہو۔ اس کی پالیسی یہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی قوم اور مذہب کو اپنا دشمن سمجھتی ہو جیسا کہ گورنر جنرل ہند لارڈ النبرا ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھتا ہے۔

”میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضاجوئی کرتے رہیں“ (ان ہمی انڈیا صفحہ ۳۹۹)

ہنری ہیرنگٹن طامس (بنگال کا سویلین) اپنے رسالہ (ہندوستان میں گذشتہ بغاوت اور ہماری آئندہ پالیسی) میں لکھتا ہے۔

"وہ (مسلمان) خلیفہ اول کے وقت سے موجودہ زمانہ تک یکسانیت کے ساتھ مغرور غیر روادار اور ظالم رہے ہیں۔ ہمیشہ ان کا مقصد یہ رہا ہے کہ جس ذریعہ سے بھی اسلامی حکومت قائم ہو اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات کی نشوونما ہو۔ مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہوسکتے اس لئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں" (حکومت خود اختیاری صفحہ ۵۶-۵۵)

"اگر مسلمان حاکم کے علاوہ اور کوئی ان کا فرماں روا ہو تو وہ خود کو ایسی حالت میں پاتے ہیں کہ جس پر راضی ہو جانا ان کے ضمیر کے خلاف ہے۔ اس لئے اعزاز و مراعات سے انہیں خوش رکھنا ناممکن ہے، مگر انہیں نمائشی وفاداری کا ڈھب خوب آتا ہے اور وہ موقع کے منتظر رہتے ہیں... لیکن عیسائیوں کے ساتھ اس طبعی منافرت کے علاوہ اور بھی وجوہ تھے (وجوہات تھیں) جن کے باعث ہندوستان کے مسلمان ہماری بربادی کے خواہاں تھے۔ وہ بھولے نہ تھے کہ کئی پشت تک ہندوستان ان کے زیر نگین (زیر حکومت) رہ چکا تھا اور پھر انہیں یقین تھا کہ برطانیہ کی قوت اگر کامل طور پر برباد ہوگئی تو ان کی عظمت رفتہ (کھوئی ہوئی عظمت) واپس آجائے گی اور وہ دوبارہ ہندوؤں پر حکومت کرسکیں گے ہندوستانی فوج میں جو بددلی پھیل رہی تھی اس کو انہوں نے تاڑلیا اور اپنی ریشہ دوانیوں سے اس چنگاری کو بھڑکا کر آگ لگادی۔ (حکومت خود اختیاری صفحہ ۹۴)

سامراج کے ہاتھوں برصغیر کی تباہ حالی

الغرض خلاف واقع طور پر حکومت موجودہ کے ذمہ دار حکام ہمیشہ سے صرف اسلام اور مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن اور انقلاب ۱۸۵۷ء کا ذمہ دار انہی کو سمجھ کر ان کی ہر قسم کی عظمت اور شوکت اور ان کی رفاہیت (آسائش) اور خوشحالی، قوت اور مذہبیت کو مٹانے کے درپے رہے اور اس امر سے چشم پوشی کرتے رہے کہ انقلاب ۵۷ء کا ذمہ دار خود انگریزوں کا وہ طرز عمل ہے جس کو یوروپین تعلیم اور ان کا جدید تمدن پھیلا رہا تھا اور اس پر عمل در آمد انگریز کر رہے تھے اور وہی آج بھی تمام ملک میں بے چینی کی آگ بھڑکائے ہوئے ہے اسی کو لیفٹیننٹ گورنر جنرل میک لیوڈ انیس نے اپنی کتاب (بغاوت فوج) میں لکھا اور تسلیم کیا ہے

"اس کا اصول یہ ہو کہ ہندوستان کے خون کو روز بروز چوسا جائے اور ان کی ہر قسم کی دولت و رفاہیت اور ان کے ذرائع کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس کی ایسی ہی پالیسیوں کی وجہ سے ہندوستان روز بروز بد سے بد تر حالت میں پہنچتا جا رہا ہے۔ چنانچہ مسٹر ڈلوگی پیڈر

۱۸۷۳ء میں لکھتا ہے "ایک ایسی رائے جس پر تقریباً ہر شخص متفق ہے اگر قابل اعتماد ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہے کہ اہل ہند ہمارے زیر حکومت بد سے بدتر حالت کو پہنچتے جاتے ہیں۔ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے جس پر حکومت کو توجہ کرنا چاہئے (حکومت خود اختیاری صفحہ ۳۸)

ایچ' ایم ہنڈمین (مشہور ماہر اقتصادیات) کہتا ہے

"ہندوستان روز بروز کمزور و ناتواں ہوتا جارہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر دن بدن تیز روی کے ساتھ نکلا جا رہا ہے" (ایچ ایم ہنڈمین کراپٹ سی آف انڈیا صفحہ ۱۵۲)

اس نے اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بناء پر اس ملک کو انتہائی افلاس اور نکبت (ذلت) میں مبتلا کر دیا ہو۔ ابھی ابھی میں سرجان شور کا مقالہ (قول) نقل کر آیا ہوں کہ وہ ۱۸۳۳ء میں کہتا ہے کہ انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے

مسٹر فلپ فرانس (ممبر بنگال کونسل) کہتا ہے

ایک انگریز کو یہ معلوم ہو کر تکلیف ہونی چاہئے کہ جب سے کمپنی کو دیوانی ملی ہے۔ اہل ملک کی حالت پہلے سے بدتر ہو گئی اور یہ کمپنی کی تجارت وغیرہ کا نتیجہ ہے۔ میرے خیال میں یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ ملک شخصی اور مطلق العنان حکومت کے زیر سایہ تو سرسبز رہا مگر جب انگریزوں کے تصرف میں آیا تو تباہی کے کنارہ پر پہنچ گیا (ان ہپی انڈیا صفحہ ۳۳۴)

مسٹر سیول میرٹ ممبر کونسل ۱۸۳۶ء میں لکھتا ہے

"برطانیہ کا دور حکومت مہربان اور مقبول بتایا جاتا ہے مگر اس عہد میں ملک جس حالت کو پہنچ گیا ہے۔ اگر اس کا مقابلہ دیسی حکمرانوں کے عہد سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لوگ اس وقت خوش حال تھے اب یہ ملک فلاکت کی انتہا کو پہنچ گیا ہے"

وہ بقول مسٹر ریمزے میکڈانلڈ قحط اور افلاس سے ستائے ہوئے لوگوں کی بستی بن کر رہ گیا ہے اور بقول سرجان سائمن اس کی تمام آبادی انتہائی افلاس میں مبتلا ہو اور بقول مسٹر پیٹر فریمین اس میں چار کروڑ سے لے کر سات کروڑ تک آدمی مسلسل فاقہ کشی میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں اور بقول مسٹر اے اے برسل تقریباً آبادی کا ۴/۳ حصہ کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نہ پاتا ہو۔ جن میں حکومت کا گوشہ خاطر (دلی رجحان) عام طور پر جہالت پھیلانا ہو عام طور پر اہل ثروت (دولت) و حکومت ملکی اور اسلامی باقی نہ رہے ہوں۔ علوم اسلامیہ کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو عہدہ ہائے حکومت نہ دیئے جاتے ہوں۔ ان مدارس اور ان کے طلبہ

اور مدرسین کو کوئی امتیازی شان حاصل نہ ہو۔ نہ ان کی ہمت افزائی اور پرورش (دیکھ بھال) کا کوئی سامان ہو اور نہ کوئی مالی امداد ملتی ہو جس ملک میں الحاد اور زندقہ کی مغربی باد صرصر (جھلسا دینے والی ہوا) دن رات چل رہی ہو۔ ہوا (خواہش) پرستی اور ضلالات (گمراہیوں) و بدعات کی وباؤں نے عام طور پر مزاجوں کو ماؤف (معطل) بنا دیا ہو' عام طور پر مسلم آبادی انتہائی فقر و فاقہ میں مبتلا کر دی گئی ہو۔ ان جملہ امور اور ایسے ہی دیگر حالات میں مدارس اسلامیہ کا اس ملک ہندوستان میں قائم ہونا اور باقی رہنا کس قدر مشکل اور دشوار ہوگا۔ اگر غور و فکر کو کام میں لایا جائے اور عالم اسباب اور ظاہر بینی کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو ان علوم اور درس گاہوں کا باقی ہی رہنا نہایت محال (ناممکن) معلوم ہوتا ہے اور ضروری طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بھی قرآن کا معجزہ اور حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی کھلی ہوئی برکت ہے۔

قومی دینی نظام تعلیم کی خدمات

ان سخت سے سخت دشوار گذار گھاٹیوں کے اندر گذرتا ہو دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس آہستہ آہستہ ترقی پذیر رہے۔ آج تک دارالعلوم دیوبند (۱۹۳۷ء) میں عمر کے بہتر سال پورے کر کے بارہ تیرہ ہزار عالم پیدا کر چکا ہے اور اطراف و اکناف عالم (دنیا کے مختلف گوشوں) میں انہی علماء کے ذریعہ سے اسلام اور سنن نبویہ (علی صاحبہا الف الف صلوۃ و تحیتہ) کی نشر و اشاعت کرتا ہوا حسب الاستطاعت (حتی الامکان)' کفر و الحاد' زندقہ و افساد' بدعات اور ضلالات (گمراہیوں) کو روک رہا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی بے توجہی اور ان کے فقر و فاقہ اور عدم احساس کی بناء پر وہ کما ینبغی (جیسا ہونا چاہئے) اور حسب خواہش کارکنان ترقی نہ کر سکا۔ تاہم مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ وہ آج تمام عالم اسلامی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اس نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں اور اطراف و اکناف عالم میں علوم اسلامیہ کی روشنی پھیلائی ہے بلکہ بیرونی ممالک افغانستان' بلوچستان' عراق' حجاز' شام' وسط الیشیاء' ترکستان چینی' ترکستان روسی' قازان' شام' یمن' برما' جزائر سماٹرا و جاوا وغیرہ میں بھی ہزاروں تعلیم یافتہ بنا دیئے ہیں۔ صوبہ بنگال جو کہ بحیثیت آبادی ہندوستان میں سب سے بڑا اور زرخیز صوبہ ہے اس سے بہت ہی زیادہ مستفید ہوتا رہا ہے۔ اس وقت (۱۹۳۷ء) تقریباً بارہ سو طلبہ سے زائد اس میں تعلیم پا رہے ہیں۔ طلباء پر کسی قسم کا ٹیکس اور فیس کا بوجھ نہیں رکھا جاتا بلکہ تقریباً پانچ سو طلبہ سے کچھ زائد کی تمام ضروریات کا تکفل (کفالت) کیا جاتا ہے۔ اگر مالی استطاعت پوری ہوتی تو ضرور اس میں ہر قسم کے ضروری شعبے اور لوازمات زندگی و طالب علمی کے سامان مہیا کئے جاتے' طلبہ کے لئے قیام

گاہیں وغیرہ پورے پیمانہ پر موجود ہوتیں' دیگر عمارات مختلفہ اور کتابیں وغیرہ حسب ضرورت تیار کی جاتیں مگر سرمائے کی قلت ہر طرف قدم بڑھانے سے سد راہ (رکاوٹ) بنتی ہے۔ عربی تعلیمات کے لئے نصاب میں جو جو ضرورتیں ارباب حل و عقد (ذمہ دار حضرات) ذہن میں آتی جاتی ہیں۔ ان کی ترمیم و تنسیخ زیادتی اور کمی وغیرہ ابتداء ہی سے جاری ہے۔ اگر قدیم نصاب تعلیم (جس کو درس نظامی سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور موجودہ نصاب کا مقابلہ کیا جائے تو اس قدر بین (واضح) فرق معلوم ہو گا کہ گویا دو نصاب علیحدہ علیحدہ تجویز کئے گئے ہیں۔ موجودہ نصاب میں علم حدیث اور علم تفسیر کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے

گریجویٹ طبقہ کے لئے تجویز

انگریزی خوان طلبہ کے لئے یہ مناسب ہے کہ فنون میں جو متعدد کتابیں تقویت استعداد (صلاحیت کی مضبوطی) اور حفظ مسائل (مسائل یاد رکھنے) کے لئے رکھی گئی ہیں ان کو کم کر دیا جائے یا جن فنون کو انہوں نے انگریزی زبان میں حاصل کر لیا ہے ان کو حذف کر دیا جائے اور بہت ہی زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معروضہ (پیش کردہ) ذیل امور کی طرف خصوصی توجہ منعطف (مبذول) کی جائے۔

عربی زبان کی معروضی ضرورت و اہمیت

چونکہ اسلامی تعلیمات' اسلامی تواریخ' اسلامی معاشرت' اسلامی تمدن' اسلامی علوم و فنون یہ سب عربی زبان میں ہیں۔ اس ساڑھے تیرہ سو برس (اب چودہ سو برس سے زائد) میں مسلمانوں نے بڑے بڑے مذہبی اور تمدنی انقلابات برپا کئے ہیں اور علوم و فنون کے بہت سے شعبوں میں مسلمانوں کا مستقل اور پائیدار اثر قائم ہوا ہے اور یہ سب عربی زبان میں ہے۔ مسلمانوں کے خاص خاص علوم ہیں جو اور کسی زبان میں پوری طرح نہ مکمل ہو سکتے ہیں نہ ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے حدیث' تفسیر' اصول' اسماء الرجال وغیرہ' الغرض مسلمانوں کا سارا علمی سرمایہ عربی زبان میں ہے۔ اس لئے من حیث القوم (مجموعی طور پر) مسلمان عربی تعلیم کے لئے مجبور ہیں نہ اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اس کو چھوڑنا چاہئے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ صرف ہندوستان میں شاید کئی لاکھ مسلمان ہر سال عربی تعلیم میں مشغول رہتے ہیں اور ہر سال ہزاروں طالب علم آٹھ دس برس کی محنت شاقہ (سخت) کے بعد سند فراغ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لئے بظاہر معاش کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہی لوگ قومی اور مذہبی رہنما اور قومی رہبر ہوتے ہیں۔ مگر معمولی بسر اوقات اور اپنی قوت سے قدر کفاف (بقدر ضرورت) حاصل کرنے کا موقع بھی ان کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رہنما ہوتے ہیں مگر محتاج' رہبر بنتے ہیں مگر مفلس اور احتیاج کی وجہ سے جو جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ ہوتی

رہتی ہیں۔ یہ چیز ناممکن ہے کہ مسلمانوں کو عربی تعلیم سے روک دیا جائے اور روکنا مناسب اور جائز بھی نہیں ورنہ یہ مسلمانوں کی مذہبی اور ملی تباہی کا باعث ہو جائے گا لہٰذا کیا مسلمانوں کی اس تعلیمی کانفرنس کے لئے یہ امر غور طلب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی تعلیم کے مسئلہ کی طرف اپنی مکمل توجہ منعطف (مبذول) کرتی ہوئی عربی تعلیم یافتہ اشخاص کے ذرائع معاش کے مسئلہ کو حل کرے

اعلیٰ علماء تیار نہ ہونے کی وجہ

یقیناً مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اس مسئلہ سے اب تک بہت بڑی غفلت برتی ہے۔ شکایت کی جاتی ہے کہ اچھے علماء پیدا نہیں ہوتے مگر اچھے علماء پیدا ہونے کے اسباب اور ذرائع کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے لو کلفت بصلتہ ماعرفت مسئلتہ (اگر مجھ کو پیاز کی تکلیف دی جاتی تو ایک مسئلہ کو بھی نہ پہنچانتا) ضروری ہے کہ علماء کو احتیاج اور افلاس سے نکالا جائے۔ ان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی روزی اپنے قوت بازو سے حاصل کر سکیں تاکہ ان میں فارغ البالی' خودداری' آزادی رائے پیدا ہو سکے اور چہ خوزد بامداد فرزندم (اپنے بیٹے کی امداد سے کیا کھایا) سے فی الجملہ (کسی حد تک) آزاد ہو جائیں۔ یہ امر مشکل نہیں ہے مگر اس کے لئے متفقہ قومی آواز (اور قومی نظام) کی ضرورت ہے۔ مسلم تعلیمی کانفرنس کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ پوری مسلم قوم اس مسئلہ میں کانفرنس کا ساتھ دے گی۔

فاضلین درس نظامی کے لئے تجاویز

حسب ذیل تجاویز عربی تعلیم یافتوں کے لئے پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں

(۱) کچھ کچھ معتدبہ (قابل شمار) وظائف ان طلبہ کے لئے مقرر کئے جائیں جو عربی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھنا چاہیں اور علی ہذا القیاس (اسی طرح) انگریزی مدارس کے ان فارغ شدہ طلبہ کے لئے بھی جو عربی پڑھنا چاہیں ان کے لئے بھی وہ وظائف امدادیہ جاری کئے جائیں۔

(۲) جس طرح مولوی فاضل وغیرہ کے سند یافتہ صرف انگریزی زبان میں گورنمنٹی (حکومتی) امتحانات میں شرکت حاصل کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مسلم یونیورسٹی اپنے یہاں ایسے قوانین بنائے جن کی رو سے عربی مدارس کے فارغ شدہ طلبہ صرف زبان انگریزی کے امتحان میں شامل ہو سکیں۔ ان کے لئے تعلیم کا مستند انتظام کیا جائے کہ ایف اے کے بعد وہ بی اے کا امتحان دے سکیں۔

(۳) عربی مدارس کے طلبہ کے لئے ریلوے وغیرہ سے وہ تمام مراعات ملنی چاہئیں جو انگریزی مدارس کے طلبہ یا ایڈ گرفتہ (امداد یافتہ) مدارس کے طلبہ کو ملتی ہیں۔ ایجوکیشنل کانفرنس مستند مدارس عربیہ کی ایک فہرست تیار کرے جس کو گورنمنٹ بھی تسلیم کرے۔

(۴) قانون کے امتحانوں میں انگریزی زبان دانی کی شرط نہ رکھی جائے۔ امتحانات ملکی زبانوں میں ہوں۔ علمی استعداد شرط کی جائے مگر حسب مراتب (ترتیب) جن امتحانوں کے لئے میٹرک' انڈر گریجوایٹ یا گریجوایٹ کی شرط ہے۔ وہ رکھی جائے اور اسی درجہ کے عربی استادوں کو بھی کافی سمجھا جائے۔ عربی نصاب میں اس کے لئے مدارج (درجے) قائم ہو سکتے اور بعض ضروری چیزوں کا نصاب میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) کورٹ کی لینگویج (زبان) بدل دی جائے اگر فوراً ہائی کورٹ کی زبان بدلی نہ جاسکے تو وہ انگریزی ہی رہنے دی جائے لیکن دوسرے تمام کورٹوں (عدالتوں) کی زبان لازمی طور پر بدل دی جائے۔

(۶) رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں عربی کی اسناد کو بھی ملازمت کے لئے کافی سمجھا جائے۔

(۷) اوقاف کے تمام ذمہ دار عہدوں کے لئے عربی اور مذہبی تعلیم کی تکمیل ضروری سمجھی جائے اور شرط کردی جائے۔

(۸) محکمہ منصفی اور ججی (صدارت اعلی) کے لئے جس میں اکثر قضاء شرعی اور تقسیم وراثت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے مذہبی تعلیم کی سند ضروری قرار دی جائے۔

(۹) مسلمانوں کو محکمہ قضاء' حسب طلب عطا کیا جائے۔ جس کا مطالبہ عرصہ دراز سے مسلمان کر رہے ہیں۔

(۱۰) آرٹ اور صنعت کی تعلیم میں عربی تعلیم کے سند یافتوں کو شرکت کا موقع دیا جائے۔

(۱۱) محکمہ ہائے انہار' زراعت' تجارت کی تعلیمات میں عربی تعلیم یافتوں کو شریک کیا جائے۔

(۱۲) یونیورسٹیوں کے وہ طلباء جو عربی پڑھتے ہیں تھوڑے تھوڑے دنوں کے لئے عربی دینی مدرسہ میں جاکر قیام کریں اور عربی کی اعلی تعلیم سے استفادہ کریں۔

محترم حضرات! میں نہایت عدیم الفرصت اور بہت ہی کم مایہ ہوں۔ بہت کم فرصت میں نہایت جلدی کے ساتھ قلمبند کر کے اپنے مختلف پریشان خیالات کو آپ حضرات کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اپنی نظر عفو و کرم کو کام میں لا کر اگر کوئی چیز خلاف رائے یا باعث تکدر ہوئی ہو اس سے سماح (درگذر) فرمائیں گے

آخر میں پھر آپ حضرات کی عنایات بے غایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ میری عرائض (معروضات) کو اپنی توجہات مربیانہ اور الطاف ہائے بیکرانہ سے نوازیں گے۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ خادم العلوم' بدار العلوم دیوبند

ہماری مطبوعات

جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسن
استعماری نظام اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسن
فکر ولی اللہی کا تاریخی تسلسل	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی حزب انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی اقدام انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی قانون انقلاب	مولانا عبید اللہ سندھی
قرآنی اصول معاشیات	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
اسلام کے اقتصادی نظام کا تقابلی جائزہ	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
ولی اللہی تحریک (نصب العین، پروگرام، مراکز، جماعت اور نشانات راہ)	مولانا سید محمد میاں
امام شاہ عبد العزیز (افکار و خدمات)	مولانا سید محمد میاں
شورٰی تقاضے	مولانا شوکت اللہ انصاری
غلبہ دین اور عبادات	چوہدری افضل حق
ثناء خداوندی	چوہدری افضل حق
صدائے فکر و عمل	چوہدری افضل حق
ارکان اسلام	چوہدری افضل حق
عبادت و خلافت	مولانا قاری محمد طیب
حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصور دین	مفتی سعید الرحمن
اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل	محمد مقبول عالم بی اے
دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت	مفتی عبد الخالق آزاد
نظام کیا ہے؟	مفتی عبد الخالق آزاد
تبدیلی نظام کا ولی اللہی نظریہ	مفتی عبد الخالق آزاد
تبدیلی نظام کیوں اور کیسے؟	مفتی عبد الخالق آزاد
ولی اللہی فکر ایک تعارف	چوہدری عبد الرؤف